چالیس حدیثوں کی تشریح

تالیف:

محمد حسین جلالی

ترجمہ:

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا

سید تلمیذ حسنین رضوی

Nashr-e-Danish,N.J(USA) نشردانش-نیوجرسی(امریکہ)

چالیس ۴۰ حدیثوں کی تشریح

تالیف

آیۃ اللہ محمد حسین جلالی

ترجمہ

حجۃ الاسلام مولانا سید تلمیذ حسنین رضوی

ناشر

نشر دانش نیوجرسی امریکہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: چالیس حدیثوں کی تشریح

تالیف: آیۃ اللہ سید محمد حسین جلالی

ترجمہ: حجۃ الاسلام مولانا سیّد تلمیذ حسنین رضوی

کمپوزنگ: سید قمر عباس زیدی

سنِ طباعت: مارچ ۲۰۱۶ء

طابع: سید غلام اکبر

ناشر: نشر دانش نیوجرسی امریکہ

ملنے کا پتہ

Oak Creek Road
East Windsor
NJ. 08520..U.S.A

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے۔ درود وسلام ہو اس کی بہترین مخلوق محمدؐ اور اُن کی پاک آل پر، ان کے باوفا اصحاب اور اُن افراد پر جو قیامت تک اُن کی ہدایت پر عمل کریں، امّا بعد۔

یہ دینی احادیث عقیدے اور احکام پر مشتمل ہیں جن کی علمی اور عملی اعتبار سے ہمیں اکثر ضرورت رہتی ہے۔ میں نے ان احادیث کی تشریح کا ارادہ اس لیے کیا کہ ہمارے ان نوجوانوں کو فائدہ پہنچے جن کے ایمان و عقیدہ اور شریعت و دستور کے مابین گمراہ قوتوں نے ایک حدِ فاصل قائم کردی ہے۔ جب باطل قوتیں اس قدر توانا ہیں تو لازم ہے کہ ایمان کا جو بیج ہمارے نفوس میں پوشیدہ ہے وہ پروان چڑھے اور جب تک نماز مسلمانوں کو ایک قبلہ کی طرف مجتمع کیے ہوئے ہے اس کے بہترین نتائج برآمد ہوں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے میرے احباب (اللہ اُن کی حفاظت کرے) نے خواہش کی کہ میں ایسے بھرپور اسباق پیش کروں جو اسلام کے اہم مفاہیم پر مشتمل ہوں تو میں نے اس کے لیے سب سے مناسب اربعین کی احادیث نبویہ کو جانا جو پانچ ابواب اعتقادات، تاریخ اہل بیتؑ

عبادات، مزارات اور مواعظ پر مشتمل ہے۔

اس امید کے ساتھ کہ ہر انسان اپنے فراغت کے اوقات میں اس سے استفادہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کی سب کو توفیق عطا کرے۔

(محمد حسین جلالی)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَصُّ الْاَرْبَعِيْنَ النَّبَوِيَّة

روی الشیخ الصدوق ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویه المتوفی ۳۸۱ھ باسناده عن النبیؐ قال:

(من حفظ من امّتی اربعین حدیثاً یطلب بذٰلک وجه اللّٰه عزّو جلّ والدّارا الاٰ خرة حشره اللّٰه یوم القیٰمة مع النّبیّین و الصّدیقین والشهداء والصّالحین وحسن اولٰئک رفیقاً۔ فقال علی علیه السّلام یارسول اللّٰه (ص) أخبرنی ماهٰذه الاحادیث؟

فقال ص:

۱۔ أن تؤمن باللّٰه وحدهٗ لاشریک له

۲۔ وتعبده ولا تعبد غیره

۳۔ وتقیم الصّلاة بوضؤ سائغ فی مواقیتها ولا تؤخرها فاِنّ فی تاخیرها من غیر علّة غضب اللّٰه عزّوجلّ

۴۔ وتؤدّی الزّکاة

۵۔ وتصوم شهر رمضان

۶۔ وتحجّ البیت اذا کان لک مال وکنت مستطیعاً

۷۔ وأن لا تعق والدیک

۸۔ ولا تأکل مال الیتیم ظلماً

۹۔ ولا تاکل الرّبا

۱۰۔ ولا تشرب الخمر ولا شیأً من الاشربة المسکرة

۱۱۔ ولا تزنی

۱۲۔ ولا تلوط

۱۳۔ ولا تمشی بالنمیمة

۱۴۔ ولا تخلف باللّٰه کاذباً

۱۵۔ ولا تسرف

۱۶۔ ولا تشهد شهادة زور لاحد قریباً کان او بعیداً

۱۷۔ وأن تقبل الحق ممّن جاء به صغیراً کان او کبیراً

۱۸۔ وأن لا ترکن الی ظالم وان کان حمیماً قریباً

۱۹۔ وأن لا تعمل بالهوی

۲۰۔ ولا تقذف المحصنة

۲۱ـ ولا ترائی فانّ أیسر الرّیا شرک باللّٰه عزّوجلّ

۲۲ـ وأن لا تقل لقصیر یا قصیر ولا لطویل یا طویل ترید عیبه

۲۳ـ وأن لا تسخر من أحد خلق اللّٰه

۲۴ـ وأن تصبر علی البلاء والمصیبة

۲۵ـ وأن تشکر نعم اللّٰه الّتی أنعم بها علیک

۲۶ـ وأن لا تامن عقاب اللّٰه علی ذنب تصیبه وأن لا تقنط من رحمة اللّٰه

۲۷ـ وأن تتوب الی اللّٰه عزّوجلّ من ذنوبک فإنّ التّائب من ذنوبه کمن لا ذنب له وأن لا تصرّ علی الذنوب مع الاستغفار فتکون کالمستهزء باللّٰه وانبیائه ورسله

۲۸ـ وأن تعلم انّ ما أصابک لم یکن لیخطئک وانّ ما اخطاک لم یکن لیصیبک

۲۹ـ وأن لا تطلب سخط الخالق برضی المخلوق ولا تؤثر الدنیا علی الاٰخرة لانّ الدّنیا فانیة والاٰخرة باقیة۔ وأن لا تبخل علی اخوانک بما تقدر علیه

۳۰ـ وأن تکون سریرتک کرلانیتک وأن لا تکون علانیتک حسنة وسریرتک قبیحة فان فعلت ذٰلک کنت من المنافقین

۳۱ـ وأن لا تکذب وأن لا تخالط الکذّابین

۳۲ـ وأن لا تغضب اذا سمعت حقاً

۳۳ـ وأن تؤدّب نفسک وأهلک وولدک وجیرانک علی حسب الطاقة

۳۴ـ وأن تعمل بما علمت ولا تعاملن احداً من خلق اللّٰه عزّوجلّ الّا بالحق

۳۵ـ وأن تکون سهلاً للقریب والبعید وأن لا تکون جبّاراً عنیداً

۳۶ـ وأن تکثر من التسبیح والتهلیل والدّعاء وذکر الموت مابعده من القیامة والجنّة والنّار

۳۷ـ وأن تکثر من قراءة القرآن وتعمل بما فیه

۳۸ـ وأن تستغنم البرّ والکرامة بالمؤمنین والمؤمنات

۳۹ـ وأن تنظر الی کل ما لا ترضیٰ فعله لنفسک فلا تفعله باحد من المومنین:

(ا) ولا تمل من فعل الخير

(ب) وأن لا تثقل علیٰ احد

(ج) وأن لا تمن علیٰ أحد اذا انعمت عليه

۴۰۔ وأن تكون الدّنيا عندک سجناً حتّٰی يجعل اللّٰه لکَ جنّة

فھٰذہ أربعون حديثا من استقام عليها وحفظها عنّی من امتی دخل الجنة برحمة اللّٰه وكان من أفضل الناس و احبّهم الى اللّٰه عزّ وجلّ والنبيين والوصيين وحشره اللّٰه يوم القيٰمة مع النّبيين والصدّيقين والشهداء والصالحين وحسن اولٰئک رفيقاً۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ متوفی ۳۸۱ھ نے اپنی سند سے نبیؐ اکرم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

میری امت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت کو مدّنظر رکھتے ہوئے چالیس حدیثیں یاد کرے تو اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت انبیاء، صدیقین، شہدأ اور صالحین کے ساتھ محشور کرے گا۔ پس حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا یارسولؐ اللہ! فرمایئے وہ کون سی احادیث ہیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

۱۔ اس بات پر ایمان لاؤ کہ اللہ یکتا اور لاشریک ہے۔

۲۔ تم اس کی عبادت کرو گے نہ کہ اس کے غیر کی۔

۳۔ تم جائز وضو سے صحیح وقت پر نماز قائم کرو گے اور اس میں تاخیر نہ کرو گے اس لیے کہ بغیر کسی وجہ کے تاخیر کرنا غضب الٰہی کا سبب ہے۔

۴۔ تم زکوٰۃ ادا کرو گے۔

۵۔ تم ماہ رمضان کے روزے رکھو گے۔

۶۔ اور خانہ کعبہ کا حج کرو گے بشرطیکہ تمھارے پاس سرمایہ ہو اور تم استطاعت رکھتے ہو۔

۷۔ والدین کی نافرمانی نہ کرو گے۔

۸۔ اور یتیم کا مال ظلم کے ساتھ نہ کھاؤ گے۔

۹۔ اور سود نہ کھاؤ گے۔

۱۰۔ اور نہ شراب پیو گے اور نہ ہی کوئی نشہ آور مشروب استعمال کرو گے۔

۱۱۔ زنا نہ کرو گے۔

۱۲۔ لواطت نہ کرو گے۔

۱۳۔ چغل خوری نہ کرو گے۔

۱۴۔ اللہ کی جھوٹی قسم نہ کھاؤ گے۔

۱۵۔ اسراف نہ کرو گے۔

۱۶۔ کسی کی جھوٹی گواہی نہ دو گے۔خواہ وہ نزدیک ہو یا دُور۔

۱۷۔ حق بات قبول کرو گے چاہے اسے پیش کرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا۔

۱۸۔ ظالم کی طرف مائل نہ ہو گے خواہ وہ تمھارا نزدیکی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

۱۹۔ خواہشات پر عمل کرو گے۔

۲۰۔ شریف زادی پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ گے۔

۲۱۔ ریا کاری نہ کرو گے اس لیے کہ تھوڑی ریا کاری بھی شرک باللہ ہے۔

۲۲۔ کسی پستہ قد کو ٹھگنا یا طویل قامت کو لمبا کہہ کے نہ پکارو جس سے

تمہاری مراد عیب ظاہر کرنا ہو

۲۳۔ مخلوقات خدا میں سے کسی کا مذاق نہ اڑاؤ گے۔

۲۴۔ آزمائش اور مصیبت پر صبر کرو گے۔

۲۵۔ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمائی ہیں ان کا شکر ادا کرو گے۔

۲۶۔ کردہ گناہ پر اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ جانے اور نہ ہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہو۔

۲۷۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو اور مغفرت کے ساتھ ساتھ گناہوں پر اصرار نہ کرے ورنہ ایسے شخص کی مانند ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑاتا ہو۔

۲۸۔ اور یہ جان لو کہ جو کچھ تمھیں پیش آ رہا ہے وہ ٹل نہیں سکتا اور جو ٹل گیا ہے وہ تمھیں پیش نہیں آئے گا۔

۲۹۔ مخلوق کو راضی کرنے کے لیے اللہ کی ناراضی نہ مول لو اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دو اس لیے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے اور جس چیز پر تمھیں قدرت حاصل ہو اس سے اپنے بھائی پر بخل نہ کرو۔

۳۰۔ اور یہ کہ تمھارا باطن ظاہر کی مانند ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھارا ظاہر تو اچھا ہو

اور باطن بُرا ہوا گر ایسا کرو گے تو تمھارا منافقین میں شمار ہوگا۔

۳۱۔ نہ جھوٹ بولو اور نہ ہی جھوٹوں سے ربط ضبط رکھو۔

۳۲۔ حق بات سن کر غضبناک نہ ہونا۔

۳۳۔ اپنی بساط کے مطابق اپنے آپ کو، اپنے اہل وعیال اور پڑوسی کو ادب سکھاؤ اور ان کی تربیت کرو۔

۳۴۔ جو کچھ جانتے ہو اس کے مطابق عمل کرو اور اللہ کی مخلوق میں کسی سے حق کے خلاف معاملہ نہ کرنا۔

۳۵۔ نزدیک اور دُور کے (لوگوں سے) نرمی کا برتاؤ کرنا اور ظالم و سرکش نہ ہونا۔

۳۶۔ تسبیح وتہلیل، دعا، موت کا ذکر اور اس کے بعد قیامت، جنت اور جہنم کا کثرت سے ذکر کرنا۔

۳۷۔ قرآن کی زیادہ تلاوت کرنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرنا۔

۳۸۔ مومنین اور مومنات سے نیکی اور کرامت کو غنیمت جاننا۔

۳۹۔ جو کام تم اپنے نفس کے لیے ناپسند کرتے ہو اس پر نظر رکھو اور مومنین میں سے کسی کے ساتھ وہ عمل نہ کرو۔

ا) عمل خیر سے کبھی نہ اکتانا

ب) اور کسی پر بوجھ نہ بنو۔

ج) جب تم نے کسی پر کوئی انعام کیا ہو تو احسان نہ جتاؤ۔

۴۰۔ اور دنیا کو ہمیشہ اپنے تمھارا لیے قید خانہ تصور کو۔ یہاں تک کہ اللہ اسے تمھارے لیے جنت بنا دے۔

یہ چالیس حدیثیں ہیں۔ میری امت میں سے جو شخص ان پر ثابت قدم رہے گا اور انھیں یاد کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا اور وہ انبیاء اور اوصیاء کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل اور اللہ کا محبوب ترین فرد ہوگا اور اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کو انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے ساتھ محشور فرمائے گا اور یہ لوگ بہت اچھے ساتھی ہیں۔

ان مذکورہ احادیث کی تشریح چند ابواب میں پیش کی جا رہی ہے۔

پہلی فصل

اعتقادات

ایمان فطرت ہے

توحید

عدل

قیامت (معاد)

فضائے قرآن کی وسعتوں میں

نبوت

سیرت النبیؐ

امامت

مہدی منتظرؑ

ایمان اور اتحاد

طُولِ تاریخ میں دو مسائل نے فکر انسانی کو الجھا رکھا ہے اور وہ مسائل مادہ و روح ہیں۔ اس لیے کہ انسان (روح) سے مرکّب ہے جو زندگی کی راہ کو اس کے آگے دشوار یا آسان بنا دیتی ہے۔ اور جسم سے جس کے ذریعہ انسان اپنی آرزوؤں اور خواہشات کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ یہ دونوں حیات انسانی کے لیے لازمی اور ضروری ہیں۔ اگر غذا اور صحیح دیکھ بھال میں خلل واقع ہو جائے جس پر جسم کی حیات کا دار و مدار ہے تو اسے کوئی آفت یا بیماری لاحق ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح جن باتوں پر روح کی حیات کا انحصار اور ایمان و اخلاقی قدروں کا دار و مدار ہے اگر ان میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو اس سے نفسانی اضطراب اور نفسانی الجھنیں رونما ہوں گی۔ کیونکہ ''ایمان باللہ'' روحانی کمال کا مبداء اوّل سمجھا جاتا ہے۔ ہم اپنی گفتگو کا آغاز اس اُمید پر کر رہے ہیں کہ ہم اس کے ذیل میں مسلسل دینی گفتگو کو آگے بڑھائیں گے۔

زمین پر رہنے والے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی اور اس کے امور کے بارے میں غور و فکر کرے۔ جب اس کا وجود ہے تو فکر لازمی

ہے۔ یہی بات دیکارٹ کہتا ہے۔ ''میں سوچتا ہوں تو میں موجود ہوں''۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ جس نے اپنی معرفت حاصل کر لی تو اس نے گویا اپنے رب کو پہچان لیا۔ پھر سوال ہوگا کہ ہم کہاں سے وجود میں آئے؟ اور ہمیں کون وجود میں لایا جب کہ ہم قابل ذکر نہ تھے۔

تو یہ بات بدیہی ہے کہ ہم نے خود اپنے آپ کو جنم نہیں دیا۔ اس لیے کہ عدم کسی شے کو وجود میں نہیں لاسکتا اور ہم اپنے وجود سے قبل موجود نہ تھے۔ ہمارے ماں باپ بھی ہمارے مُوجد نہیں اس لیے کہ وہ اس بات سے جاہل ہیں کہ انسان کن اعضاء سے مرکب اور اس کا صحیح کام کیا ہے؟ اور اس کی تخلیقی کیفیت کے پیچیدہ نظام سے ناواقف ہیں۔ ہر مُوجد و صانع کے لیے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ اس نے کیا بنایا ہے (جی ہاں) والدین بھی وجود اشیاء کے دیگر اسباب و عوامل کی مانند ہمارے وجود کا سبب ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جملہ امور کو اسباب کے ذریعہ ظہور پذیر کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جملہ امور کو اسباب کے توسّط سے نافذ کیا ہے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ سب سے پہلے انسان کو کون وجود میں لایا جس کے سبب سے نوع انسانی پھلی پھولی؟ کیا یہ اتفاقی طور پر وجود میں

آیا۔ اتفاق تمھاری ہاتھ کی گھڑی کیوں نہیں بن سکتا؟ کیا اس لیے کہ گھڑی ایک مکمل نظام رکھتی ہے اور اتفاقات کا نظام سے کوئی تعلق نہیں؟

یہ عظیم کائنات انسان جس کے موجودات میں سے ایک ہے تخلیق کا شاہکار اور مکمل نظام رکھتا ہے اور اسی وسیع و عریض کائنات میں لاتعداد سیارے ہیں جن میں کرہ ارض بھی ہے جسے جمادات، نباتات اور حیوانات سے زینت بخشی گئی ہے۔ اور اسی کائنات میں ایک چاند ہے اربوں سال کے بعد انسان علم کے زور پر ۲۱/جولائی ۱۹۶۹ء کو اس قابل ہوا کہ اس نے اسے اپنے قدموں تلے پامال کیا۔ اور وہ بے شمار سیارے کہ جن تک انسان علم کی ترقی کے باوجود رسائی حاصل نہ کر سکا اور نہ ہی ان کے دقیق نظام سے آشنا ہو سکا ہے جو سورج، چاند اور زمین کے مابین موجود ہیں اور اگر یہ نظام کائنات ایک لمحے کے لیے بھی مختل ہو جائے تو زندگی نیست و نابود ہو جائے۔ کیا عقل اسی بات کو تسلیم کوتی ہے کہ یہ موجودات اور یہ مکمل نظام اتفاقی طور پر وجود میں آیا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہم نے عالم کے لیے کسی آغاز کا انکشاف نہیں کیا سوائے مادہ اور اس نظام کے جو اس سے مربوط ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مادہ کہاں سے وجود میں آیا؟ اور اس نظام نے کیسے جنم لیا؟ کیا کسی قدرت نے اسے خلق نہیں کیا؟ کیا وہ قدرت فی نفسہٖ مادہ کی قدرت اور اس نظام کی

قدرت سے مافوق نہیں ہے جو اس میں حکومت کر رہا ہے؟ اس عظیم قدرت ہی کو خدا کے نام سے پکارتے ہیں۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَيۡرِ شَىۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ

کیا یہ کسی پیدا کرنے والے کے بغیر پیدا ہو گئے یا یہ خ ﷺ دہی خالق ہیں۔ (سورۂ طور۔ آیت ۳۵)

آزادیٔ فکر

اسلام کے نزدیک ایمان آزادیٔ فکر کا حتمی نتیجہ ہے۔

اس فکر کی بنیاد جو خواہشات اور عادتوں کی تقلید سے آزاد ہو، دعوتِ اسلامی نے اندھی تقلید سے ٹکر لی تا کہ صحیح فکر محکوم نہ ہو جائے اور لازم قرار دیا کہ اصولِ دین کا اعتقاد دلیل اور برہان سے ہو۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ (سورۂ سبا۔ آیت ۴۶)

(اے نبیؑ!) اُن سے فرما دیجئے کہ میں تمھیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر تم غور فکر کرو تمھارے ساتھی (نبیؑ) میں کوئی دیوانگی نہیں ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ۔

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں

ان کی پیروی کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو چلتے ہوئے دیکھا ہے، چاہے اُن کے باپ دادا نے عقل سے کام نہ لیا ہو اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوں (پھر بھی وہ ان ہی کی پیروی کیے جائیں گے)۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۷۰)

حدیث میں آیا ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةً

ایک ساعت غور وفکر کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ایک شخص نے امیر المومنینؑ سے یہ سوال کیا کہ آپؑ نے اپنے رب کو کس طرح پہچانا؟ تو آپؑ نے فرمایا:

بالتمیز الذی۔۔۔

اس تمیز کے ذریعے جو مجھے عطا ہوئی ہے اور اس عقل کے ذریعے جو رہنمائی کرتی ہے۔

ہم بغیر کسی شک کے ان اشیاء کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں جن کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہم عقل کے وجود کو مانتے ہیں کیوں کہ ہم جب آثارِ تعقّل کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایک فرد کو عاقل کہتے ہیں۔ ہم ایٹم کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں جس کا آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں اور ہم تاروں میں بجلی کی قوت کو مانتے ہیں جبکہ سوائے تاروں کے ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔

اس لیے کہ بجلی کی قوت کے نتیجے میں ہم روشن لائٹ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح عقل کی منطق ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت کی دلیل ہے۔

جس طرح علمائے طبیعت (نیچر) ان اشیاء کی معرفت پر مکمل توجہ مبذول کرتے ہیں جن کا وہ ظاہری طور پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کی خصوصیات کو پڑھتے ہیں اور ان کے آثار کو عقل کی منطق پر پرکھتے ہیں۔ اسی طرح منطقِ عقل ہمیں خالقِ علیم تک پہنچاتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حٰم سجدہ۔ آیت ۵۳)

عن قریب ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق اور ان کے نفوس میں بھی دکھلائیں یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ قرآن واقعی حق ہے۔

اس لیے کہ منطقِ عقل اس جہاں کے اس باعظمت نظام کے بارے میں سوال کرتی ہے کہ اس کا مُوجد کون ہے؟

تو سوائے اس بات پر یقین کے کوئی راستہ نہیں کہ اس کا مُوجد حکمت اور قدرت سے متصف ہے اور وہ ہی ہے جسے ہم ''اللہ'' کہتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اگر تم کسی انسان کی تصویر کسی دیوار پر نقش دیکھو اور کوئی شخص یہ کہے

کہ یہ تصویر خو بخود ظاہر ہو گئی ہے، اسے کسی بنانے والے نے نہیں بنایا ہے کیا تم یہ بات قبول کر لو گے؟ ’نہیں‘ بلکہ اس کا مذاق اڑاؤ گے۔

پس تم کیسے ایک تصویری مجسمے کے بارے میں انکار کرتے ہو اور زندہ بولتے ہوئے انسان کے بارے میں انکار نہیں کرتے۔ (کتاب توحید مفضل)

❁❁❁❁❁

اللہ کی معرفت

قانون علّیت (سبب و مسبّب) اس دنیا کا نافذ قانون ہے نہ کہ نشوو ارتقاء کا قانون۔ ہر موجود کسی موجد اور سبب کا محتاج ہے۔ فلاسفر اور لاہوتی افراد نے حقیقت الوہیت اور موجد اوّل کی معرفت کے بارے میں غور و خوض کرنا شروع کیا تو اس سے فکری اضطراب نے جنم لیا۔ یہاں تک کہ کہا گیا:

اے عالم کے عجوبے تیرے بارے میں فکر تھک چکی ہے۔

جب بھی میری فکر تیری طرف ایک قدم بڑھاتی ہے اک میل پیچھے چلی جاتی ہے۔ لیکن کیا ضروری ہے کہ ہمیں اشیاء کے بارے میں مکمل معلومات ہوں اور ہماری معرفت مکمل ہو؟

جواب یہ ہے کہ انسان کو کبھی کبھار اشیاء کا علم مکمل طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے طلوع شمس کا علم اور کبھی اجمالی علم حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ’’پلوٹو‘‘ سیّارے کا علم۔ اس بارے میں ابھی تک مکمل علم حاصل نہیں ہوا کہ اس میں کس قسم کا مادّہ ہے اور اس میں آثار حیات ہیں بھی یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی مجرّد معرفت ہے جو اس کے آثار سے حاصل ہوتی ہے۔ آثار سے پتہ چلتا ہے کہ ان آثار کا کوئی مؤثر اور مُوجد ہے اور جب

ہم ان آثار کا عمیق مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا مُوجد اور خالق حکمت، علم اور بڑی قدرت کا مالک ہے اور اسی طرح ہم ایمان لاتے ہیں۔ اس اللہ پر ''جس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں۔ وہ زندہ اور قائم بالذات ہے۔ نہ اسے اُونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ ان کا مالک ہے۔'' (بقرہ۔۲۵۵)

اسی بات کی طرف امام جعفر صادق علیہ السلام اشارہ فرماتے ہیں:

عقل خالق کا تعارف اس جہت سے کراتی ہے کہ اس کے اقرار کا موجب ہو نہ کہ اس کی صفات کا احاطہ کرے۔

ایمان فطرت ہے

فطرت اور انسانی ضمیر ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ ایمان انسانی فطرت میں پوشیدہ ہے۔ جب جہالت علیحدگی پسندی اور انکار کے عوامل اس پر پردہ ڈال دیتے ہیں تو اس کا نام کفر بن جاتا ہے اور جب کبھی انسان شک کا عادی بن جاتا ہے تو اس کا کبھی نہ کبھی حقیقت سے تصادم ہوتا ہے اور جب اسے مشکلات اور دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے تو اس کا ضمیر اور وجدان بیدار ہو جاتا ہے۔ جیسے بیماری اور ناامیدی جس سے ہر انسان کا واسطہ پڑتا ہے تو ایسے عالم میں انسانوں سے امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں اور ایسی مخفی قوّت کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے جو اسے نجات دلانے پر قدرت رکھتی ہے اور اس قوت کا نام جو ہر شے پر قدرت رکھتی ہے ''اللہ'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ج

اور جس وقت کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچی تو اس نے اپنے پہلو پر لیٹے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہونے کی حالت میں ہمیں پکارا۔

(سورۂ یونس۔آیت ۱۲)

اور فرمایا ربّ العزّت نے:

هُوَالَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي
الْفُلْكِ ج وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاءَتْهَا رِيْحٌ
عَاصِفٌ وَّجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ لا
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج (سورۂ یونس۔آیت ۲۲)

وہی تو ہے جو تمھیں خشکی اور سمندر میں سیر کراتا ہے چناں چہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوکر بادموفق پر شاداں وفرحاں مصروف سفر تھے کہ یکا یک بادمخالف کا جھکڑ آیا اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے آنے لگے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ وہ چاروں طرف سے گھر گئے ہیں تو اس وقت سب کے سب اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دُعا طلب کرنے لگے۔

اور درج ذیل گفتگو جو امام جعفر صادق علیہ السلام اور منکر خدا کے درمیان ہوئی اس انسانی فطرت کو منکشف کرتی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے کبھی کشتی کا سفر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا کبھی ایسا موقع آیا کہ تم نے عاجز ہوکر یہ سوچا کہ نہ تو کشتی ہی تمھیں بچا سکتی ہے اور نہ ہی تمھارا تیرنا فائدہ مند ہوسکتا ہے؟ اس نے کہا ہاں! تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تو کیا تمھارا دل ایسی ہستی کی طرف مائل ہوا جو تمھیں نجات دینے پر قادر ہے۔ جب کوئی نجات دلانے والا نہ ہو اور فریاد سنتا جب کہ کوئی فریادرس نہ ہو۔

نگاہِ قرآنی میں

ایمان کے ضمن میں واحد چیز قرآن کریم جس کی تاکید کرتا ہے وہ یہ ہے کہ انسانی فطرت، وجدان وضمیر کو جھنجھوڑتی ہے تاکہ وہ کائنات کا مطالعہ کرے۔ آسمان کی طرف نظر دوڑائے کہ اس میں خالق کی طرف رہنمائی کرنے والی کتنی نشانیاں موجود ہیں۔ ستارے ہیں، سیّارے ہیں جو حدّ و حساب سے باہر ہیں۔

آئن اسٹائن کہتا ہے کہ ”یہ ستارے مستقبل میں از روئے تعداد بڑھتے چلے جائیں گے“۔ اور ہر ایک کا وصف اور حجم جدا جدا ہوگا۔ زمین کو دیکھو کہ اس میں معدنیات، نباتات اور حیوانات ہیں۔ انسان جن سے خدمت لیتا ہے۔ جو عقل، تقدم اور بلندی میں ممتاز ہے۔

انسان کی طرف دیکھو جو ہزارہا اجزا، خلیّوں اور سرخ وسفید ذرّات سے مرکّب ہے اور اسے علم وعقل کی بنیاد پر دیگو تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔ اسے بہترین شکل اور مکمل صورت اور بہترین اندازے کے مطابق پیدا کیا گیا ہے۔ کائنات کا اعلیٰ نظام بہترین وعظیم مخلوقات اور ظاہر و باہر نشانیاں ہمیں آمادہ کرتی ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور ان

چیزوں کو تسلیم کریں جو حیاتِ انسانی اور کرۂ ارضی کو متاثر کرتی ہیں۔

تم ڈاکٹر احمد زکی کی کتاب ''مع اللّٰہ فی السّماء'' اور ڈاکٹر خالص کنجولہ کی کتاب ''الطبّ محراب الایمان'' طبع بیروت ۱۳۹۱ھ وغیرہ کا مطالعہ کرو اور غور کرو کہ درج ذیل آیات کس امر کی تاکید کر رہی ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۶۴)

بے شک آسمان و زمین کی تخلیق رات دن کی تبدیلی، ان کشتیوں میں جو انسانوں کی منفعت کی چیزیں لیے ہوئے سمندروں میں رواں دواں ہیں اور اللہ جو آسمان سے بارش برسا کر مردہ زمینوں کو پانی کے ذریعے زندگی بخشتا ہے اِس میں اور پھر اس زمین میں جہاں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کو گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، صاحبانِ عقل کے لیے اَن گنت نشانیاں موجود ہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَ

جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ (سورۂ روم۔ آیت ۲۰ تا ۲۵)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے پیدا کیے تمھارے نفوس میں سے تمھارے ازواج کو تاکہ تم اس سے سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان مَوَدَّت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیوں موجود ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا خلق فرمانا اور تمھاری زبانوں اور رنگت کا مختلف ہونا یقیناً اس میں صاحبانِ علم کے لیے لاتعداد نشانیاں موجود ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمھارا سونا رات اور دن کے وقت اور اس کے فضل (روزی) کا تلاش کرنا بے شک اس میں متعدّد نشانیاں ہیں سننے والوں کے لیے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمھیں بجلی کو خوف و امید کا مرکز بنا کر دکھلاتا

ہے اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد اس کے ذریعے زندگی عطا کرتا ہے، بے شک اس میں صاحبانِ عقل کے لیے ان گنت نشانیاں موجود ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں پھر وہ جب تمھیں پکار کر زمین سے بلائے گا تو یکایک تم زمین سے نکل آؤ گے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ (سورۂ یونس۔ آیت ۵)

وہی تو ہے جس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا اور اس کی منزلیں متعیّن کر دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (سورۂ قصص۔ آیت ۷۱۔ ۷۳)

فرمادیجیے کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ اگر اللہ روزِ قیامت تم تمھارے لیے دن کو دوام بخش دیتا تو اللہ کے علاوہ کون سا معبود ہے جو تمھارے لیے رات

لے آتا تاکہ تم اس میں سکون پاسکو کیا تم دیکھتے نہیں۔ اور یہ اس کی رحمت کا فیض ہے کہ اس نے تمھارے لیے رات اور دم قرار دیے ہیں تاکہ رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو شاید کہ تم شکر گذار بن جاؤ۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ

عنقریب ہم اپنی نشانیاں اطراف عالم میں اور خود اُن کے نفوس میں دکھلائیں گے یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہی یقیناً ''حق'' ہے۔

توحید

توحید کو تمام ادیان کی روح تسلیم کیا جاتا ہے تمام انبیاء اور مرسلین نے جس کی تاکید کی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں:

قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ ۝ (سورۂ ہود۔ آیت ۵۰)

اے میری قوم کے لوگو! تم سب اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بس تم لوگ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا رہے ہو۔

نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں دعوت کا آغاز توحید سے ہوا۔ جب آپؐ نے فرمایا:

قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفۡلِحُوا ، تم لا الٰہ الّا اللّٰہ کہو فلاح پاؤ گے۔

کیونکہ مشرک قوم کی طبیعت اس امر کی مقتضی تھی جس میں اسلام کا چشمہ ابلا تاردین کو شرک، مختلف خداؤں اور جسم وجسمانیات کے تصور سے پاک کر دیا جائے۔

ہم توحید سے مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، ذات اور صفات

دونوں اعتبار سے اس کی ذات میں نہ تو کوئی فرد شریک ہے اور نہ ہی وہ اشیاء سے مرکب ہے۔ اسے ''توحید ذاتی'' کہا جات ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات جیسے علم، قدرت اور حکمت یہ نہ تو عوارض ہیں اور نہ زائد بالذات ہیں بلکہ علم عین ذات ہے۔ اسے ''توحید صفاتی'' کہا جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

''توحید یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا کسی جہت سے تصور نہ کرسکو''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

توحید یہ ہے کہ تم اپنے رب کے لیے وہ چیزیں تجویز نہ کرو جو تم اپنے لیے تجویز کرتے ہو"۔

ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ اپنی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داریوں کو کما حقہ پورا کرے۔

ایک وقت میں ایک مملکت کے دو حاکم و بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ اس طرح ایک اسکول کے ایک وقت میں دو پرنسپل نہیں ہو سکتے۔

اس لیے کہ جب ذمہ داریاں متعدد ہوں اور بادشاہ، حاکم اور امیر کئی ہوں تو ہر فرد کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں دو حکمران کی اطاعت کرے۔ چنانچہ ایک کی اطاعت کرنے کی صورت میں دوسرے کی نافرمانی لازم آئے گی جس سے حکومت کے نظام میں خلل واقع ہوگا۔ جب

ایک وقت میں دو حکمران ہونے میں ایک ملک کا نظام مؤثر طریقے سے نہیں چل سکتا اور فساد کا خطرہ ہوتا ہے تو پھر اس وسیع وعریض کائنات کا نظام کیونکر متعدد خدا ہونے کی صورت میں چل سکتا ہے۔

عظیم قدرتوں کا متعدد ہونا ممکن نہیں اس لیے کہ اس کا متعدد ہونا اُن کے عظیم ہونے کی نفی کرتا ہے۔ اس لیے کہ تعدّد کے معنی ہیں ایک کا دوسرے کے مقابلے میں عاجز اور مجبور ہونا تو پھر عظیم قدرت باقی نہیں رہتی؟ اس بات کی طرف حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبے میں اشارہ کیا ہے:

''اوّل الدّین۔۔۔۔توحیدہ''۔

''دین کی پہلی بات اللہ کی معرفت ہے اور اس کی معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے اور تصدیق کا کمال اس کی توحید ہے''۔

ایمان بغیر توحید کے یعنی اس ہستی پر ایمان نہ لانا جو ہر شے پر قدرت رکھتی ہے۔

❁❁❁❁❁

قرآن کی نظر میں

اور ایک نظر میں ہم آیاتِ قرآنی میں غور کرنے سے توحید خالص سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ اسلام جس کی جانب ہمیں بلاتا ہے۔

ارشاد ربّ العزت ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۱۔۲۲)

اے انسانو! تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے والے لوگوں کو پیدا کیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ جس نے تمھارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے تمھارے لیے پھلوں کا رزق مہیّا کیا۔ جب تم یہ جانتے ہو تو پھر کسی اور کو اللہ کا مدّمقابل قرار نہ دو۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ (سورۂ صافات۔ آیت ۴۔۵)

بے شک تمھارا خدا ایک ہے۔ وہ آسمان وزمین اور اُن کے مابین تمام چیزوں کا پروردگار اور تمام مشرقوں کا مالک ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ

اللہ نے کسی کو بھی اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی پیدا کردہ مخلوق کو لے جاتا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے لگتے۔ وہ لوگ جو اوصاف بیان کرتے ہیں اللہ ان سے پاک اور منزہ ہے۔ (سورۂ مومنون۔ آیت ۹۱)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَاۗىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۭ (سورۂ نمل۔ آیت ۶۰)

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا ہے پھر اس کے ذریعے ایسے خوش نما باغ اُگائے ہیں جن کے درختوں کا اُگانا تمھارے بس میں نہ تھا کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی شریک تھا بلکہ یہ تو ایک منحرف قوم ہے۔

ہم توحید کی گفتگو کو حضرت علی علیہ السلام کے کلام کے اقتباس پر ختم کرتے ہیں:

’’اگر تمھارے رب کا کوئی شریک ہوتا تو اس کی جانب سے تمھارے پاس رسول آتے اور تمھیں اس کی مملکت اور حکومت کے آثار نظر آتے اور تم اس کے افعال وصفات سے واقف ہوتے۔ لیکن وہ مالک خدا ہے جیسا کہ اس نے خود اپنے بارے میں کہا ہے کہ کوئی بھی اس کی سلطنت میں اس کا مثل ونظیر نہیں ہے‘‘۔

اور حضرت علی علیہ السّلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

’’دین کی پہلی بنیاد اللہ کی معرفت ہے۔ اور معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے۔ اور تصدیق کا کمال اُس کی توحید ہے‘‘۔

عدل

اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے عادل ہونے کا اعتقاد لازم ہے۔س لیے کہ ظلم وہی کرتا ہے جو عاجز ہو، وہ جہالت یا احتیاج کے سبب ظلم کرکے اپنے غیظ وغضب کی آگ کو بجھاتا ہے یا حاجت روائی کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کا عالم اور ہر شے پر قادر ہے۔ اس کے بارے میں ظلم وجور کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ وہ مستغنی ولائق حمد ہے۔ امام سجاد علیہ السلام اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ظلم وہ ڈھاتا ہے جو کمزور ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کام کے لیے کسی کو مجبور کرتا ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝

ہم نے اسے راستا دکھادیا خواہ وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا۔

(سورۂ دھر۔ آیت ۳)

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

”عدل یہ ہے کہ تم اللہ پر کسی قسم کا الزام عائد نہ کرو“۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

”تم اپنے خالق کی طرف وہ بات منسوب نہ کرو جس پر وہ تمہاری ملامت کرتا ہے“۔ اور آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسی بات کا مکلف نہیں بنایا اور نہ ہی انھیں کسی بات سے منع کیا، جب تک ان میں استطاعت پیدا نہ کردی، پھر انھیں امر و نہی کی، بندے کا موخذہ یا چھٹکارہ نہیں ہوگا مگر اس استطاعت کی بنیاد پر جو امرونہی سے قبل اسے عطا ہوئی ہے“۔

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا اور یہ جان لیا کہ وہ کس طرف جارہے ہیں تو انھیں کچھ امور کے کرنے کے کرنے کا حکم دیا اور کچھ امور سے منع فرمایا، جن امور کو بجالانے کا حکم دیا اس کے حصول کی تدبیر بھی پیدا کردی، اور جن چیزوں سے منع فرمایا تو اس کے ترک کرنے کی سبیل بھی پیدا کردی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو گناہ پر مجبور نہیں کیا بلکہ مصیبتوں کے ذریعہ ان کا امتحان لیا“۔

جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (سورۂ ملک۔ آیت ۲)

تمھارا امتحان لے کہ تم میں بہترین عمل کس کا ہے۔

جب ہم انسانوں میں حالات کے لحاظ سے تفاوت اور فرق پاتے

ہیں جیسے کوئی امیر ہے تو کوئی غریب، کوئی تندرست ہے تو کوئی مریض، کوئی بلند مرتبہ ہے تو کوئی کم رتبہ، یہ سب انسان کی اپنی کوششوں کا ثمرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تائید کا نتیجہ ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۠

اور انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے سعی کی ہوگی۔ اور بے شک وہ اپنی کوشش کو عن قریب دیکھ لے گا۔ (سورۂ نجم۔ آیت ۳۹، ۴۰)

سعی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اسباب مہیا کرنے میں آزاد ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اثرات مرتب ہوں گے جو اس کا مقدّر ہیں اور اس آزادی میں تمام انسان برابر ہیں۔ اچھی زندگی کی راہ میں اس آزادی سے خدمت لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مشورہ اور تدبیر کی شکل میں اپنی راہنمائی کو ترک نہیں کیا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ — امور میں ان سے مشورہ حاصل کرو

وَلَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ — تدبیر کی طرح کوئی عقل نہیں

جب انسان عقل سے رہنمائی حاصل نہ کرے گا اور شریعت کے احکام کو ترک کردے گا تو اس کے پاس نہ کوئی تدبیر ہوگی اور نہ ہی اس کا مشورہ ہوگا جس کا مشورہ درکار ہے تو فطری بات ہے کہ اس کے نتیجے میں

بدبختی، پستی، افلاس، اقتصادی اور معاشی ابتری اور بدحالی، فقر و فاقہ اور محرومی حاصل ہوگی اور اس سے بڑھ کر کوئی اور ظالم نہیں ہوگا جو تدبیر اور مشورہ کو چھوڑ دے جس کا اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

قرآن میں اس سلسلے میں نہایت عظیم اور عادلانہ رہنمائی کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا
وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (سورۂ نساء۔ آیت ۴۰)

اللہ کوئی پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کرتا، اور اگر انسان کے پاس نیکی ہوتی ہے تو وہ اسے بڑھا دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا کرتا ہے۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝
وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

(اے محمدؐ! یہ پیغمبر اس لیے آتے رہے) کہ تمھارا پروردگار بستیوں کو ظلم کے ساتھ برباد نہیں کرنا چاہتا کہ اس کے باشندے بالکل غافل اور بے خبر ہوں۔ اور ہر ایک کے درجات اس کے عمل کے لحاظ سے مقرر کیے گئے ہیں اور وہ لوگ جو بھی عمل کر رہے ہیں اللہ ان سے غافل نہیں ہے۔ (سورۂ انعام۔ آیت ۱۳۱، ۱۳۲)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ۝ (سورۂ یونس۔ آیت ۴۴)

اللہ انسانوں پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ درحقیقت انسان خود اپنے

اوپر ظلم کرتا رہتا ہے۔

خلاصہ:

ایمان، علم کا فطری نتیجہ ہے۔ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:
"علم ہی کے ذریعہ اللہ کی اطاعت وعبادت ہوتی ہے۔ اور علم ہی سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور وحدانیت کا اقرار ہوتا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے اسلام نے جس کی تاکید مختلف آیات اور احادیث کے ذریعہ کی ہے"۔ ہم نے جن میں سے چند کا ذکر کیا ہے۔

اور الحاد جہل کا فطری نتیجہ ہے۔ ایک گروہ ہے جو دین کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے اور رسم ورسومات کا نام دین سمجھتا ہے اور آخر میں تمھارے لیے (آئی۔ کرسی موریسون) کا قول نقل کرتا ہوں۔ اس کی کتاب قابل مطالعہ ہے۔ کتاب کا نام "العلم یدعو لِلایمان" ہے۔ اس نے کہا کہ علم کی کرنیں عالم بشریت پر پڑتی رہتی ہیں اور جوں جوں علم کی روشنی بلند ہوتی جائے گی تو ہم پر خالق اور موجد کائنات کی کاریگری روشن اور آشکار ہوتی چلی جائے گی۔

✿✿✿✿✿

بَعث اور مَعاد

ہم میں سے ہر شخص یہ جانتا ہے کہ دنیاوی زندگی ختم ہوجائے گی اور دنیاوی زندگی کو دوام نہیں ہے۔ (اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ) اے رسولؐ آپ کو بھی اس دنیا سے سفر کرنا ہے اور یہ لوگ بھی مرجائیں گے۔ لیکن اس زندگی کے بعد جسے ہم موت سے تعبیر کرتے ہیں کیا کوئی اور زندگی بھی ہے؟ یا انسان موت سے فنا ہوجائے گا اور دوسری زندگی نہیں ہے۔ آسمانی مذاہب دوسری زندگی کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں عدل اور حساب و کتاب ہوگا۔ اطاعت گزاروں کو ثواب ملے گا اور گناہگاروں کو عذاب۔ دنیا کا دار العمل۔ اور آخرت کو دار الجزاء کہا جاتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ (سورۂ ملک۔ آیت ۱،۲)

بابرکت ہے وہ جس کے ہاتھوں میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس نے موت وحیات کو خلق کیا ہے تاکہ تمھارا امتحان لے

کہ تم میں بہترین عمل کس کا ہے اور وہ غالب اور مغفرت والا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تمھیں عبث (بے فائدہ) پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔ (سورۂ مومنوں۔آیت ۱۱۵)

کیوں کہ اس دنیا میں تمھارا امتحان یا جارہا ہے لیکن تمھیں دوسری دنیا کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۲، ص ۱۸۳)

موت تو زندگی ہے جو مرنے کے بعد آئے گی۔ اس لیے کہ انسان روح اور جسم سے مرکب ہے۔ روح ایک ایسی حقیقت ہے جو بدلتے ہوئے حالات سے متغیر نہیں ہوتی جس کو ہم ''میں'' سے تعبیر کرتے ہیں اور موت روح و جسم کے مابین جدائی کر دیتی ہے۔ قبر میں صرف جسم رہ جاتا ہے جو حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اور صرف خاک کی نسبت باقی رہ جاتی ہے۔ خواہ وہ ہزارہا سال کے بعد کیوں نہ ہو۔ جو چیز اعتقاد معاد میں رکاوٹ بنتی ہے وہ یہ ہے کہ مردہ انسان کا جسم ان تغیرات کے بعد از سر نو کیسے بنے گا اور ہزاروں سال فنا رہنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوگا۔ یہ سوال بغیر کسی جواب کے رہ جاتا ہے۔

جب ہم علم کی جانب توجہ مبذول کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ انسان مادّی اعتبار سے کیمیاوی طور پر فنا یا منعدم نہیں ہوتا بلکہ عنصر و مادّہ پر ایک

حالت طاری ہوتی ہے اور وہ اس میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

پانی دو عناصر سے مل کر بنا ہے آکسیجن گیس اور ہائیڈروجن گیس ان کا تجزیہ کیمیاوی تحلیل سے ممکن ہے۔ جب اوکسیجن گیس کو ہایڈروجن گیس سے مرکب کریں گے تو پانی بن جائے گا اور جس کسی اور چیز سے ملایا جائے گا تو نئی چیز وجود میں آجائے گی۔ تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اوکسیجن گیس ایک ایسا عنصر ہے جس پر مختلف حالات طاری ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ طبیعی عناصر کا تجزیہ کر کے اس کی کیمیائی تحلیل ممکن ہے اور انسان کے مرنے کے بعد اس کا مادی عنصر دوسری حالت میں منتقل ہوجاتا ہے اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اسے انسان کی حالت قبل موت اور بعد موت معلوم ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا عنصر کن مراحل کو طے کر رہا ہے۔ چونکہ وہ عظیم قدرت کا مالک ہے اور ان عناصر کے تجزیے اور تحلیل پر قدرت رکھتا ہے تو پھر یہ عناصر دوبارہ انسان کی شکل میں تبدل ہوسکتے ہیں اور روح جسم میں واپس آ کر اسے جیتا جاگتا بنا سکتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰي وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰي كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۂ بقرہ ۲۶۰)

اور اس وقت کو یاد کرو، جب ابراہیم نے کہا تھا، میرے مالک مجھے یہ دکھادے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ تو اللہ نے دریافت کیا، کیا تمھارا اس پر ایمان نہیں ہی، انھوں نے عرض کی ایمان تو ہے مگر اطمینانِ قلب درکار ہے، فرمایا اچھا تو چار پرندے لو اور انہیں اپنے سے مانوس کرلو پھر ان کا ایک ایک جز الگ الگ پہاڑ پر رکھ دو، اس کے بعد انہیں پکارو وہ تمھارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ نہایت با اقتدار اور صاحب حکمت ہے۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۶۰)

ہزار ہا سال کے بعد جو انسان نفس عناصر اور روح سے مل کر بنے گا اس کی نسبت انسان سے درست ہے جس طرح قبر کی نسبت اس انسان سے درست ہے جو ہزاروں سال قبل اس میں دفن ہوا تھا۔ اسی طرح بعث اور معاد کا اعتقاد اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نسبت سے درست ہے اور بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ کبھی تم نہ تھے، پھر وجود میں آئے اور جس قدرت نے تم کو عدم سے وجود عطا کیا وہ اس پر قادر ہے کہ مرنے کے بعد عدم سے تمھیں وجود میں لائے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّـحْيِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ

عَلِـيْمٌ ۝ (سورۂ یٰسٓ۔ ۷۸، ۷۹)

اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی خلقت کو بھول گیا ہے وہ کہتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ (اے نبی) فرما دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر طرح کی خلقت سے اقف ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَـلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۂ روم۔ آیت ۲۷)

وہی تو ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے بے حد آسان ہے اور اسی کے لیے بلند ترین وصف ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔

کسی چیز کی جہالت سے اس کا انکار لازم نہیں آتا۔ کئی صدیوں سے انسان جرثوموں اور ایٹم سے نا آشنا تھا۔ انسان کی ناواقفیت سے ان جرثوموں اور ایٹم پر کوئی حرف نہیں آیا۔ یہ بات درست ہے کہ حیات بعد الموت انسان کے لیے مجہول ہے لیکن عدم علم کی بنیاد پر انکار کی اجازت نہیں جبکہ قادر علی الاطلاق نے انسان کو عدم سے بخشا ہے۔ نبیؐ اکرم اور قرآن کریم ہمیں اس بات کی خبر دیتے ہیں۔ یہی حال دنیا کا ہے۔ انسانیت کی درسگاہ میں انبیاء نے

خوش خبری بھی سنائی اور لوگوں کو ڈرایا بھی۔ تو لازمی ہے کہ کوئی عدالت کا دن ہو جہاں ایمان و عمل صالح کے درجات قوت ضعف کے اعتبار سے ظاہر ہوں۔

قرآنی نگاہ میں ارشاد خداوندی ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝

انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ اسے اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، جو پانی پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے یقیناً وہ خالق اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ (سورۂ طارق۔ آیت ۵ تا ۸)

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۙ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۙ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝

کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جسے رحم میں ٹپکایا جاتا ہے۔ پھر وہ علقہ (لوتھڑا) بنا پھر خدا نے اس کے اعضاء و جوارح بنائے، پھر اس سے مرد و زن کے جوڑے بنائے۔ تو کیا وہ خدا اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندگی عطا کر دے۔
(سورۂ قیامت۔ آیت ۳۶ تا ۴۰)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ ۝ (سورۂ حج۔ آیت ۵ تا ۷)

اے لوگو! اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے بارے میں تمھیں کوئی شک ہو تو یاد رکھو ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر علقہ سے پھر مُضغہ سے جو تخلیق شدہ ہوتا ہے اور بغیر تخلیق کے بھی تاکہ تم پر اس حقیقت کو واضح کر دیں کہ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک رحموں میں ٹھہراتے ہیں پھر تمھیں ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں (پھر تمھاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی مکمل جوانی تک پہنچو اور تم میں سے کچھ کو پہلے ہی بلا لیا جاتا ہے اور کسی کو بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ وہ علم کے بعد کچھ جاننے کے قابل نہ رہ جائے اور تم زمین کو خشک پاتے ہو اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور نشوونما پاتی ہے

اور ہر قسم کے خوش نما نباتات اُگاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مُردوں کو حیات بخشتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور قیامت آ کر رہے گی اس کے آنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور یہ کہ اللہ باشندگان قبر کو دوبارہ اٹھائے گا۔

نبوت

عدالت اس بات کی متقاضی ہے کہ خیر اور سعادت کے راستے کی جانب بشر کی رہنمائی ہو۔ رہنمائی نہ کرنا گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن کریم اس جانب اشارہ کرتا ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (سورۂ دھر۔ آیت ۳)

ہم نے اسے راستہ دکھا دیا خواہ شکر گزار ہو یا ناشکرا۔

انسانوں کی ہدایت دو پیغمبروں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ پہلا رسول باطنی ہے اور وہ فکر و عقل ہے اور دوسرا رسول ظاہری ہے اور وہ نبی ہے۔ انبیاء کا کام انسانی فکر کی بہترین زندگی کی جانب رہنمائی کرنا ہے اور نبوت خدائی پیغام اور دینی سفارت ہے تا کہ صراط مستقیم کی جانب انسانوں کی ہدایت ہو اور دنیا و آخرت میں نجات حاصل ہو۔ انبیاء و مرسلین کا اہم کام دلوں کو بیدار کرنا ہے اور بشری فکر کا رخ کرامت اور سعادت کی جانب موڑ دینا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (سورۂ انعام۔ آیت ۴۸)

ہم جو رسولوں کو بھیجتے ہیں تو محض اس لیے کہ وہ خوشخبری سنائیں اور لوگوں کو ڈرائیں پس جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیکوکار ہو جائیں تو ان کے لیے نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی حزن ہوگا۔

قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ (سورۂ اعراف۔ آیت ۸۵)

انہوں نے کہا اے میرے قوم کے لوگو! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ تمھارے رَب کی جانب سے تمھارے پاس واضح ثبوت آ چکا ہے لہٰذا ناپ تول کو پورے طور پر انجام دو اور لوگوں کو چیزیں دیتے وقت کسی قسم کی کمی نہ کرو اور اصلاح ہو جانے کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اسی میں تمھاری بھلائی ہے اگر تم مومن ہو۔

جب انسان اپنی زندگی، ولادت، رضاعت (دودھ پینے کا وقت) بچپن، بلوغت اور انسانی معاشرہ کا مکمل اور سودمند جزو ہونے تک کے تمام ادوار و مراحل پر غور کرے تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ انسان کا جوں جوں کمال بڑھتا جاتا ہے اس کے یقین میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ انسان اپنی زندگی میں کسی راہنما و رہبر کا محتاج ہے جو بہترین زندگی بسر کرنے میں

اس کی رہبری کرے۔ یہ انسانی معاشرہ کی کیفیت ہے جو عقیدہ اور شریعت کے ابرے میں فکری مراحل سے گزر رہا ہے اور مکمل رہبری اور رہنمائی کے لیے کسی راہنما اور رہبر کی تلاش میں ہے۔ وہی عنصر انبیاء علیہم السلام ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

''جب ہم نے ثابت کر دیا کہ ہمارا کوئی خالق اور صانع ہے جو ہم سے اور تمام مخلوقات سے ارفع و اعلیٰ ہے اور وہ صانع بڑی حکمت والا ہے تو ثابت ہوا کہ اس سفراء میں جو اس کی مخلوق اور بندوں تک اس کا پیغام پہنچاتے ہیں اور ان امور کی راہنمائی کرتے ہیں جن میں ان سب کا بھلا اور فائدہ ہے، جن کو ماننے میں بقا ہے اور چھوڑ دینے میں فنا ہے تو ثابت ہوا کہ حکیم و علیم کی جانب سے اس کی مخلوق کی طرف نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے موجود ہیں جو اللہ کی باتیں ان لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور وہ انبیاء کرام ہیں۔ اسی لیے حکمت خداوندی مقتضی ہوئی کہ انبیاء کو دوسرے انسانوں کی طرح بشری لباس میں بھیجا جائے تاکہ وہ ان لوگوں کی ہدایت اسی زبان میں کریں جو وہ سمجھتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ؕ

اور ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ اپنی قوم کی زبان میں پیغام پہنچاتے

رہے تا کہ وہ ان کے لیے باتوں کی وضاحت کر دیں۔ (سورۂ ابراہیمؑ۔آیت ۴)

انبیاء کو اسی وجہ سے ملائکہ کی صورت میں مبعوث نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد رب العزت ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

(اے نبیؐ!) آپ فرما دیجیے بلاشبہ میں تم جیسا بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے یقیناً تمھارا معبود بس خدائے یکتا ہے۔ (سورۂ کہف۔آیت ۱۱۰)

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ (سورۂ انعام۔آیت ۵۰)

(اے نبیؐ) آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس اُس کے حکم کا پابند ہوں جو بطور وحی مجھ تک آتا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ (سورۂ فرقان۔آیت ۷)

اور انھوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی جاتا ہے کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا جو اس کے ساتھ نذیر ہوتا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰۗىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝

اور لوگوں کو ایمان لانے سے کس نے روکا ہے جب کہ ہدایت اُن تک آ گئی ہے بس وہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کے بھیج دیا۔ (اے نبی) آپ فرما دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان کے لیے آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے۔

(سورۂ بنی اسرائیل۔آیت ۹۴،۹۵)

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ (سورۂ فرقان۔آیت ۲۰)

اور (اے محمدؐ) ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں جاتے تھے۔

اولوالعزم

فکری پختگی کے اعتبار سے جس طرح انسانوں کے مدارج ہیں اسی طرح فطری امر ہے کہ رسالت الٰہیہ بھی اس پختگی کے اعتبار سے مختلف مدارج رکھتی ہو اور یہ کہ زمان و مکان کی نوعیت اور حیثیت سے حدود رسالت مختلف ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا :

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۝ (سورۂ یونس۔ آیت ۴۷)

ہر اُمّت کی جانب ایک رسول ہے۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ کبھی نبوت ایک خاص گروہ، خاص قوم یا خاص قبیلہ کے لیے مخصوص تھی اور اسی سے رسالت عامہ کا ظہور ہوا۔ ایسے انبیاء کو اولوالعزم کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان کی رسالت ہر فرد کے لیے عام اور پوری دنیا پر محیط ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۝ (سورۂ شوریٰ۔ آیت ۱۳)

اس نے تمھارے لیے دین کا وہی راستہ معین کیا ہے جس کی تلقین نوح کو کی گئی تھی اور جسے وحی کے ذریعے (اے نبی) ہم نے آپ کی طرف بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کی تھی کہ تم دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقے میں نہ پڑو۔

(۱) ان میں سے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ ان کی دعوت کا مرکز عراق تھا۔ آپ نے بہت طولانی عمر پائی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۝ (سورۂ عنکبوت۔ آیت ۱۴)

پچاس کم ایک ہزار سال

لیکن ان کی دعوت پر ۸۰ افراد نے لبّیک کہی، ان میں ان کی بیٹی بھی تھی لیکن ان کی زوجہ اور بیٹا کفر پر باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ ہر جانور کا جوڑا جوڑا کشتی میں سوار کر لیں تا کہ وہ طوفان سے محفوظ رہیں۔ روایات سے پتہ چلتا ہے مسجد کوفہ عراق میں سو سال کی مدت میں کشتی بن کر تیار ہوئی اور جب چھ مہینے کے عرصے میں ہر چیز کے اوپر سے طوفان کا پانی اتر گیا تو کشتی موصل کے نزدیک جودی پہاڑ پر آ کر ٹھہر گئی۔ انھیں نجف اشرف میں حضرت علی علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش عراق ہے۔ آپ نے نمرود کی حکومت کے زمانے میں عراق بے دعوت توحید

کا آغاز کیا۔ پھر آپ کی دعوت شام تک پہنچی۔ وہاں سے آپ کو مکہ مکرمہ ہجرت کا حکم ہوا اور مناسک حج ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ آپ کی زوجہ ہاجرہ اور فرزند اسماعیل علیہ السلام نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کی رسالت ملّت حنیفیّہ کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی حکومت کے زمانے میں مصر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے فراعنہ کے پجاریوں سے جنگ کی اور وہاں سے بنی اسرائیل کے ساتھ حدود فلسطین کی طرف خوف و امید کی حالت میں روانہ ہوئے ان کی رسالت ''دین یہودی'' کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فلسطین سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ انھیں وہاں مادیت سے جنگ کی دعوت دی گئی۔ یہودیوں نے آپ سے جنگ کی اور انھیں سولی دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اپنی قدرت سے انھیں آسمان پر زندہ اٹھا لیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ (سورۂ آلعمران۔ آیت ۵۵)

اے عیسیٰؑ! ہم تمھاری مدّتِ قیام دنیا میں پوری کرنے والے اور تمھیں اپنی طرف اٹھا لینے والے ہیں۔

ان کے بعد ان کے شاگردوں (حوّاریوں) نے ان کی متابعت کی، ان کی

رسالت دین مسیحی (عیسائیت) کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

(۵) محمد بن عبداللہؐ خاتم النّبیین نے اپنی دعوت توحید کا آغاز اپنی جائے ولادت مکّہ مکرمہ سے کیا اور وہاں سے مدینہ منّورہ کی جانب ہجرت کی اور وہیں سے اسلام کا نام ہر طرف پھیلایا۔ یہاں تک کہ جزیرہ نمائے عرب اور ایشیا کے مشہور مقامات اور افریقہ تک اسلام چھا گیا اور اس عالمی پیغام کو پھیلانے کے سلسلے میں نہایت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ارشاد الٰہی ہے:

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔

(اے نبی) آپ صبر کیجیے جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا۔

(سورۂ الاحقاف۔ آیت ۳۵)

آنحضرتؐ نے فرمایا:

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِّثْلُ مَا اُوْذِیْتُ۔

کسی نبی کو ایسی اذیت نہیں پہنچائی گئی جیسی اذیت مجھے دی گئی۔